International Research Jounral of Islamic Culture & Communication

IRJICC

ISSN:3007-4630 (P),3006-8304(E)

انسانی غلامی کا تصور: اسباب، ارتقاء اور اس کے اثرات کا تاریخی تناظر میں مطالعہ

(عہدِ قدیم سے دورِ جدید تک)

THE CONCEPT OF HUMAN SLAVERY: A HISTORICAL STUDY OF ITS CAUSES, EVOLUTION, AND IMPACTS (FROM THE ANCIENT PERIOD TO THE MODERN ERA)

1. *Amira Rauf*
aarr1947@gmail.com

Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies The Imperial College of Business Studies, Lahore (ICBS).

2. *Dr Javaid Iqbal*
javaidiqbal@gmail.com

Assistant Professor, Department of Islamic Studies The Imperial College of Business Studies, Lahore (ICBS).

Vol. 03, Issue, 04, Oct-Dec 2025, PP:34-47

OPEN ACCES at: www.irjicc.com

Article History	Received	Accepted	Published
	15-10-25	03-11-25	30-12-25

Abstract

Human slavery is one of the oldest and most complex social institutions in human history, existing in various forms across different civilizations and historical periods. This study examines the concept of human slavery from antiquity to the modern era, focusing on its causes, evolution, and long-term impacts within a historical framework. The primary causes of slavery included economic needs, war captives, political domination, racial and class-based discrimination, and social inequality. In ancient civilizations such as Greece, Rome, and Mesopotamia, slavery was considered an essential component of the socio-economic system, where enslaved individuals were employed in

CC BY

agriculture, domestic service, and military support.During the medieval period, slavery evolved through feudal and colonial structures, leading to systematic exploitation of human labor. The modern era, particularly under European colonial expansion and the transatlantic slave trade, witnessed slavery on an unprecedented scale, especially affecting African societies. However, the same period also marked the rise of humanitarian thought, enlightenment ideals, and human rights movements, which challenged the moral and ethical legitimacy of slavery. These movements ultimately contributed to the legal abolition of slavery in many parts of the world. Despite formal abolition, modern forms of slavery such as human trafficking, forced labor, and economic exploitation continue to exist. This study highlights the historical development of slavery and analyzes its profound social, economic, and moral consequences across different eras.

KeyWords: *Human Slavery,Historical Evolution,Ancient Civilization,Modern Era,Causes of Slavery,Human Rights,Social and Economic Impact.*

موضوع کا تعارف:

انسانی غلامی کے بارے میں جب تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسانی غلامی زمانہ قدیم سے لے کر دور جدید تک مختلف ادیان، ثقافتوں اور اقوام پر محیط نظر آتی ہے۔غلامی سے بہت سے لوگ متاثر ہوتے آئے ہیں۔ چاہے ان کا تعلق مذہب یا کسی قوم سے تھا۔غلامی نسلوں میں نسل در نسل تسلسل کے ساتھ قائم رہی ہے۔ تاریخ عالم میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ غلامی کی حالت مختلف ادوار میں مختلف رہی ہے بلکہ غلامی کی قانونی اور سماجی حالت بھی مختلف ادوار میں مختلف رہی ہے۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ غلامی موروثی ہے۔تاریخ انسانی سے عیاں ہوتا ہے کہ غلامی کی ابتداء زراعت پیشے سے ہوئی۔زمانہ قدیم میں اس کا آغاز تقریباً3500ق م میں ہوا تھا۔یورپ، ایشیاء، مشرق وسطیٰ اور افریقہ میں وسیع پیمانے پرغلامی کا رواج تھا۔اس بارے میں یوں معلومات دی گئی ہیں :

which dates back as far as 3500 BC. slavery features in the Mesopotamian Code ap Hammurabi (C.1750) which refers to it as an established Institution. Slavery was wide spread in the ancient world in Europe Asia the Middle East and Africa.([1])

انسانی غلامی کی 6800ق م سے 2017ء تک مختصرانداز میں تاریخ بیان کی ہے جس میں انسانی غلامی کے آغاز وارتقاء سے دور حاضر تک مختلف تہذیبوں اور تاریخی ادوار میں غلامی کے ارتقاء کا مستند جائزہ پیش کیا گیا اس کا خلاصہ یوں ہے :

6800ق م میں دنیا کی پہلی شہری ریاست میسوپوٹیمیا وجود میں آئی۔ابتداء میں دشمنوں کو زمین کی ملکیت کی بناء پر پکڑ لیا جاتا تھا پھر انہیں غلام بنالیا جاتا تھا اور انہیں کام کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

2575ق میں مصری دریائے نیل پر خصوصی مہمات کے ذریعے غلاموں کو پکڑتے تھے اور غلاموں کی گرفتاری پر

جشن منایا جاتا تھا۔ 550ق م میں یونان ایتھنز کی ریاست تقریباً 30000 غلاموں کو چاندی کی کانیں کھودنے کے لیے استعمال کرتی تھی۔ 120ء میں رومن فوجی مہمات کے دوران ہزاروں انسانوں کو پکڑا اور غلام بنایا۔ ان غلاموں کی تعداد اندازاً روم کی آبادی کی آدھی بتائی جاتی ہے۔ 500ء میں جب اینگلو سیکسن نے انگلستان پر حملہ کیا تھا تو اس نے مقامی برطانوی باشندوں کو غلام بنالیا تھا۔ 1000ء میں انگلینڈ کے دیہی جو زراعت سے منسلک تھے زمیندار ان کو اور ان کے خاندانوں کو غلامی میں ڈال دیتے تھے ۔ 1380ء میں سیاہ طاعون کی وباء پھیلی جس سے کئی انسانی جانیں ضائع ہوئیں جس سے مزدوروں میں کمی واقع ہوئی۔ اس وجہ سے غلاموں کی تجارت عروج پر پہنچ گئی۔ یہی وجہ تھی کہ غلام براعظم مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ سے خریدے جاتے تھے۔ 1444ء میں پرتگال کت تاجروں نے پہلی مرتبہ مغربی افریقہ کے سمندر کے غلاموں کو یورپ میں اور بحر اوقیانوس میں غلاموں کی تجارت بھی کی گئی۔ 1526ء میں ہسپانوی متلاشی افریقی غلاموں کو ان کی بستیوں میں لے آئے اور اسی سے سب سے پہلے غلامی کی بغاوت کا آغاز ہوا۔

1550ء میں غلاموں کی تیار کردہ اشیاء کو بطور فن دکھایا گیا۔ 1641ء میں جوسٹن نے غلامی کو قانونی حیثیت دی۔ 1781ء میں رومی شہنشاہ جوزف دوم نے غلامی کے خاتمے کا اعلان کیا۔ 1787ء میں برطانیہ میں غلاموں کی تجارت کو روکنے کے لیے باقاعدہ سوسائٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ 1789ء میں فرانسیسی انقلاب کے دوران قومی اسمبلی کے آرٹیکل نمبر 17 میں حقوق کے بارے میں اعلامیہ جاری کیا گیا کہ مرد پیدا ہوتے ہیں اور حقوق و آزادی میں برابر ہوتے ہیں۔ 1791ء میں ہیٹی غلاموں نے بغاوت کر دی۔ اسی وجہ سے ہی ہیٹی کی فرانس سے آزادی ہوئی۔ یہ ایسی مثال ہے کہ جہاں ایک غلام قوم نے غلامی کی بغاوت کی اور آزاد ہو کر غلامی پر پابندی عائد کر دی۔ 1803ء میں ناروے نے افریقی غلاموں کی تجارت پر پابندی عائد کر دی تھی اور ڈنمارک کے تسلط میں غلاموں کو درآمد کرنا بند کر دیا تھا۔

1807ء میں برطانوی پارلیمینٹ نے غلاموں کی تجارت کو غیر قانونی قرار دے دیا تھا۔ ساتھ ہی امریکی صدر تھامس جیفرنے غلاموں کی درآمد پر پابندی پر دستخط کر دیئے تھے۔ 1811ء سے 1867ء تک برطانوی بحریہ کے اینٹی سلیوری سکواڈن نے افریقہ کے بحر اوقیانوس کے ساحل پر کام کرنے والے غلاموں میں سے 160000 کو آزاد کروادیا تھا۔ 1813ء میں سویڈن کے افریقی غلاموں کی تجارت پر پابندی لگانے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ 1814ء میں ہالینڈ کے بادشاہ نے افریقی غلاموں کی تجارت میں ڈچ کی شرکت کو ختم کر دیا تھا۔

اسی سال ویانا کی کانگرس نے غلاموں کی تجارت کو جلد از جلد ختم ہونے کا اعلان کیا۔ 1820ء میں اسپین کی حکومت نے خط استوا کے جنوب میں غلاموں کی تجارت ختم کر دی۔ کیوبہ میں یہ عمل 1888ء تک جاری رہا۔ 1833ء میں برطانیہ نے 9 سال سے کم عمر بچوں کو کام کروانے پر پابندی عائد کی اور 13 سے 18 سال کی عمر کے بچوں کے لیے 12 گھنٹے کام کا وقت محدود کر دیا۔

1834ء میں برطانوی سلطنت میں غلامی کو غیر قانونی قرار دیا اور غلام مالکان کا نقصان پورا کرنے کے لیے 100 ملین ڈالر مختص کئے گئے۔ 1840ء میں لندن میں پہلا عالمی انسداد غلامی کنونشن بلایا گیا۔

1848ء میں فرانسیسی حکومت نے غلامی کے خاتمے کا اعلان کر دیا تھا۔ 1850ء میں برازیل حکومت نے بھی غلاموں کی تجارت میں شرکت داری ختم کر دی۔ 1861ء میں الیگزینڈر دوم نے تمام روسی غلاموں کو آزاد کر دیئے تھے اسی وجہ سے اس کا خطاب زار آزاد کرنے والا مشہور ہو گیا تھا۔ 1863ء میں صدر ابراہم لنکن نے غلاموں کی آزادی کا اعلان کیا۔ 1865ء میں کانگرس نے غلامی کو غیر قانونی قرار دیا۔ امریکی آئین میں 13 ویں ترمیم کر کے اسے قانون کی حتمی شکل دے دی گئی۔ 1888ء میں جنوبی امریکہ نے غلامی کے خاتمہ کا اعلان کیا تو برازیل نے 725000 غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ اگرچہ غلامی کا مکمل خاتمہ نہیں ہو سکا تھا۔ 1865ء سے لے کر 1920ء تک امریکیوں نے لوگوں کو دوبارہ غلام بنایا۔ متعلقہ مردوں اور عورتوں کو لوہے کی کانوں، اینٹوں کے کارخانوں، باغات اور دیگر خطرناک کاموں کی جگہوں پر انہیں فروخت کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی آئین کی 13 ویں ترمیم جیل میں غلامی کو غیر قانونی قرار نہیں دیتی۔

1909ء میں کانگو ریفارم ایسوسی ایشن نے جبری مشقت کا خاتمہ کیا۔ 1910ء میں پیرس میں سفید غلاموں کی تجارت کے خاتمے کے لیے بین الاقوامی کنونشن منعقد کیا گیا جس میں طے پایا کہ جو کوئی بھی کم عمر عورت یا لڑکی کو جسم فروشی کے لیے اپنی کنیز بنائے گا یا اپنے پاس رکھے گا تو اس کو سزا دی جائے گی۔ 1913ء میں برطانوی پارلیمینٹ نے ہیروین ایمیزون کمپنی کے پیرو میں وہ ادارہ بند کر دیا تھا جو ہندوستانیوں پر تشدد کرتا تھا۔

1915ء میں ملایا کی حکومت نے سرکاری سطح پر غلامی کا خاتمہ کر دیا۔ 1919ء میں انٹرنیشنل لیبر (آئی ایل او) نے عالمی لیبر معیارات کے ضابطے مقرر کرنے کے لیے قائم کی گئی۔

1923ء میں ہانگ کانگ کی حکومت نے چھوٹی لڑکیوں کو گھریلو غلام بنا کر فروخت کرنے پر پابندی عائد کر دی تھی۔

1926ء میں برما کی حکومت نے غلامی کے خاتمے کے لیے اقدامات کئے۔

1936ء میں سعودی حکومت نے غلاموں کی درآمد پر پابندی عائد کر دی تھی۔ 1941ء میں سری لنکا کی حکومت نے گود میں لئے گئے بچے جو بعد میں غلام بنا لئے جاتے تھے ان کی غلامی کے خاتمے کے لیے باقاعدہ قانون پاس کیا۔ 1948ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ غلاموں کی تجارت اور ان کی تمام شکلوں کو ممنوع قرار دیا گیا۔ 1950ء سے 1989ء تک ترقی پذیر ممالک میں غلامی کی روایتی شکل پر کم توجہ دی گئی۔

1954ء میں چین نے قیدیوں کو مزدوری کے لیے استعمال کی اجازت دے دی تھی۔ 1962ء میں یمن اور سعودی عرب کی حکومتوں نے غلامی کا خاتمہ کیا۔ 1964ء چھٹی ورلڈ مسلم کانگرس نے تمام غلامی مخالف تحریکوں کی حمایت کی تھی۔ 1973ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں غیر انسانی کاروائیوں کو غیر قانونی قرار دیا گیا۔ 1974ء میں موریطانیہ کے آزاد شدہ غلاموں نے غلامی کی مخالفت کے لیے تحریک شروع کی۔

1976ء میں بھارت نے زبردستی مزدوری کروانے پر پابندی لگائی۔ 1980ء میں اسلامی جمہوریہ موریطانیہ نے چوتھی بار غلامی کے خاتمے کا قانون پاس کیا۔ 1992ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں لیبر ایکٹ پاس ہوا لیکن اس پر عمل نہیں ہو سکا۔ 1995ء میں کرسچن سولیڈیریٹی انٹرنیشنل نے جنوبی سوڈان میں غلاموں کو خرید کر آزاد کرانا شروع کیا۔ 2004ء میں برازیل

میں غلاموں سے جبری مشقت کے خاتمے کے لیے قومی سطح پر معاہدہ کیا۔ ([2])

تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو عیاں ہوتا ہے کہ دنیا میں مختلف تہذیبوں میں انسانی غلامی کا رواج مختلف تھا۔ فارس، چین، مصر اور یونان وغیرہ مختلف انداز میں غلامی تھی۔ ہندوستان بابل اور روم میں بھی قدیم زمانے میں غلامی کا رواج تھا۔ اہل فارس میں غلام کی غلطی کو عام طور پر نظرانداز کر دیا جاتا تھا البتہ عادی نافرمانی کی بنیاد پر غلام کو قتل کر دیا جاتا تھا جیسا کہ سعید احمد اکبر آبادی نے وضاحت کی ہے:

" فارس میں غلام کو محض بدزبانی کے باعث کوئی سخت سزا نہیں دی جاتی تھی البتہ اگر غلام اپنی عادت کی اصلاح نہ کرتا بار بار اس سے اسی طرح کی حرکات صادر ہوتیں تو پھر اسے قتل کر دیا جاتا تھا۔" ([3])

اسی طرح چین میں غلامی کا رواج تھا۔ چین میں قدیم دور میں حکومت کو ہی غلام بنانے کا رواج تھا۔ بعد میں جنگی قیدی اور نجی سطح پر انسانوں کو غلام بنایا جاتا تھا جیسا کہ محمد مبشر نذیر نے وضاحت کی ہے:

" کنفیوشس کے فلسفے اور اخلاقیات پر یقین رکھنے والے دیگر ممالک جیسے مشرقی چین، جاپان اور کوریا میں بھی غلامی موجود رہی ہے۔ اسمتھ کے مطابق ابتداء کے طور پر صرف حکومت کو غلام بنانے کی اجازت دی گئی تھی جو کہ جنگی قیدیوں اور دیگر مجرموں کو غلام بنانے تک محدود تھی کچھ عرصے بعد نجی غلامی اور جاگیردارانہ غلام کا نظام بھی آہستہ آہستہ بنتا گیا۔" ([4])

یونان میں غلامی کا رواج

قدیم یونان میں غلامی کی جڑیں بنیادی طور پر معاشرے میں موجود تھیں۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم یونان میں معاشرے کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اوپر والے آزاد شہری کہلاتے تھے۔ انہیں تمام حقوق حاصل تھے۔ یہ لوگ سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے۔ دوسرا طبقہ اگرچہ غلام نہ تھا مگر آزاد بھی نہ تھا انہیں سیاست میں حصہ لینے کا حق حاصل نہیں تھا۔ تیسرا طبقہ غلاموں پر مشتمل تھا۔ اسی طرح جاگیردار بھی انسان کو مزارعین کی صورت میں غلام بنا لیتے تھے۔ غلامی کی حالت قابل رحم ہوتی تھی۔ بعد میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کچھ غلاموں سے نرمی برتی گئی۔ جس کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے؛

"ڈریکو کے آئین (6210) اور سولون کے قوانین سے غلاموں کی حالت کچھ بہتر ہو گئی۔ انہیں افراد کی بجائے ریاست کی ملکیت قرار دیا گیا اور کچھ بنیادی حقوق بھی فراہم کئے گئے سوائے ریاست کے اب انہیں کوئی اور موت کی سزا نہیں دے سکتا تھا۔ یہ غلام ہی تھے جنھوں نے یونانیوں کو سیاست کرنے اور سیاسی فلسفے ایجاد کرنے کا وقت فراہم کیا جس کی وجہ سے یونانی پوری دنیا میں مشہور ہوئے۔" ([5])

یونان میں ہیومر کے عہد میں غلامی پر عروج تھی۔ اس دور میں غلام کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ قدیم دور میں یونان کے لوگ دو حصوں میں منقسم تھے۔ ایک آزاد اور دوسرے غلام، غلام ہمیشہ اپنے مالک کے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔ مالک جو چاہتا اور جیسے چاہتا غلاموں سے سلوک کر سکتا تھا۔ یونان میں ایک مخصوص بازار انینا تھا جہاں غلاموں کی تجارت ہوتی تھی۔ قدیم دور میں غلام کرائے پر بھی لئے اور دیئے جاتے تھے۔ غلاموں کو مختلف طریقوں سے سزائیں دی جاتی تھیں۔

قدیم مصر میں غلامی

قدیم مصر میں غربت کے باعث لوگ اپنے آپ کو فروخت کر دیتے تھے اور غلام بن جاتے تھے۔ اس رواج کو حضرت یوسف علیہ السلام نے ختم کیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بے شمار غلاموں کو آزادی بھی دی تھی اس کی وضاحت حافظ ابن کثیر نے یوں کی ہے:

"اہل کتاب کے علم کے مطابق سیدنا یوسف علیہ السلام نے اہل مصر اور دیگر لوگوں کو سونا، چاندی، زمین اور دیگر اثاثوں کے بدلے کھانے پینے کی اشیاء کی فروخت کیں۔ جب ان کے پاس کچھ نہ رہا تو انہوں نے خود کو بھی بیچ دیا اور غلام بن گئے۔ اس کے بعد آپ نے انہیں ان کی زمینیں واپس کر دیں اور تمام غلاموں کو آزاد کر دیا اور شرط یہ رکھی کہ وہ کام کریں گے اور فصلوں اور پھلوں کا پانچواں حصہ حکومت کو دیں گے اس کے بعد مصر میں یہی قانون جاری ہو گیا۔" ([6])

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر کو غلامی کا گھر قرار دیا تھا جیسا کہ بائبل میں بیان ہوا ہے:

"اور موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے کہا کہ تم اس دن کو یاد رکھنا جس میں تم مصر سے جو غلامی کا گھر ہے نکلے۔" ([7])

رومیوں میں غلامی

انسانی غلامی کے حوالے سے رومیوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ رومیوں میں قدیم دور میں غلام بنانے کے لیے کئی طریقے تھے۔ رومی جن علاقوں کو فتح کرتے تو ان لوگوں کو غلام بنا لیتے تھے۔ جو بچے باندیوں سے پیدا ہوتے تھے وہ بھی غلام بنا لئے جاتے تھے۔ جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوتے وہ بازار میں کم قیمت پر فروخت کر دیئے جاتے تھے۔ چھوٹے بچوں کو چرا کر فروخت کر دیا جاتا تھا اور انہیں غلام بنا لیا جاتا تھا۔

روم میں جب کسی غلام کو فروخت کیا جاتا تو اس کو اونچے پتھر پر کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ خریدار اسے دیکھ کر خریدتے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق روما کی حکومت تقریباً آٹھ سو سال رہی لیکن غلامی کے قوانین نہ بدلے۔

"روما کی حکومت آٹھ سو برس تک رہی اور کہا جاتا ہے کہ یہ عہد عتیق کی سب سے بڑی مہذب اور متمدن حکومت تھی لیکن اس کے باوجود ان کے تمدنی اصول و قواعد میں غلاموں کے لیے کچھ حقوق نہیں تھے اور انسانی زندگی کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کا کوئی حق نہ تھا۔ زندہ رکھنے اور قتل کرنے میں آقا مختار کل ہوتے تھے۔ کسی کو ان کسی فعل پر نکتہ چین ہونے کا حق نہ تھا۔" ([8])

یورپ اور امریکہ میں غلامی کا رواج

یورپ کے باشندے جب امریکہ میں آئے تو انہوں نے دنیا سے ائے ہوئے انسانوں کو غلام بنا لیا تھا۔ مفتی رفیع عثمانی نے اس بارے میں یوں تبصرہ کیا ہے:

"یورپ کے لوگوں نے بھی انسانوں کو اسی طرح غلام بنایا یہ یورپ کے لوگ جب امریکہ پہنچے اور امریکہ کو آباد کرنے کے لیے انہیں انسانوں کی ضرورت پڑی تو افریقہ اور اسپین کے لوگوں کو غلام بنا کر یہاں امریکہ میں لائے۔" ([9])

امریکہ میں افریقی لوگوں کو غلام بنایا جاتا تھا۔ یہ امریکیوں کو کارآمد بنانے کے لیے ضروری تھا۔ امریکن کا یہ طریقہ کار تھا کہ وہ افریقہ جا کر متعلقہ گاؤں کا محاصرہ کر لیا جاتا۔ وہاں انسانوں کو ایسے جال ڈالتے تھے جیسے جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے۔ اسی

طرح امریکن افریقی لوگوں کا شکار کرتے تھے۔ اسی طرح افریقہ باشندوں کو لا کر امریکہ میں آباد کیا جاتا تھا اور ان سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔

مسلمانوں کو زبردستی امریکہ میں لانا

اسی طرح اسپین کے مسلمانوں کو بھی زبردستی امریکہ لایا جاتا رہا۔ جب اسپین میں اسلامی خلافت کا خاتمہ ہوا تو وہاں مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ بہت سے مسلمانوں کو جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ بہت سے مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنا کر امریکہ میں بھیج دیا گیا۔ اسی طرح کی انسانی خرید و فروخت افغانستان میں بھی کی گئی جیسا کہ بتایا گیا ہے:

"افغانستان میں امریکہ نے انسانوں کی خرید و فروخت کروائی۔ کئی مسلمانوں کو ہندوستان سے بھی خرید کر لے جایا گیا جبکہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں لکھا ہوا ہے کہ انسانی غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے اس کے باوجود بھی افغانستان میں انسانوں کو غلام بنایا گیا۔ اگرچہ انہوں نے غلام کی اصطلاح استعمال نہیں کی لیکن پھر بھی انسانوں کی مارکیٹ لگی ہوئی ہے اور انسانی خرید و فروخت کا سلسلہ جاری ہے۔ انسانوں سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جاتا ہے۔" (10)

غلامی دراصل انسانی طاقت کے بل بوتے پر انسانوں کو اپنے قابو میں رکھنا اور ان کا ہر لحاظ سے استحصال کرنا اسطرح کے ظلم کی کوئی مہذب قوم و معاشرہ اجازت نہیں دیتا۔ اگرچہ دور حاضر میں غلامی کو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے لیکن دنیا کے بیشتر حصوں میں ابھی بھی غلامی کا عام رواج ہے۔ تاریخی اعتبار سے قدیم دور میں مختلف ممالک میں غلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ بات عیاں ہے کہ غلامی رومیوں اور یونانیوں میں بھی تھی۔ دور حاضر میں مختلف ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ دنیا میں تقریباً 27 ملین لوگ کسی نہ کسی طرح غلامی کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ دین اسلام میں انسانی غلامی کی پر زور انداز میں مزاحمت کی گئی ہے۔ اور ہر لحاظ سے غلامی کے خاتمے پر زور دیا ہے۔ موجودہ دور میں آج بھی لوگ کسی نہ کسی کی غلامی میں پھنسے ہوئے ہیں۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرنگی قبائل میں سے فرانسیسی لوگ غلاموں کے بارے میں زیادہ بے رحم اور متشدد تھے۔ ان کے ہاں قانون بنایا گیا تھا کہ اگر کوئی آزاد انسان کسی باندی سے نکاح کرتا تو وہ بھی بیوی کی کنیز سمجھی جاتی تھی۔ بعض قبائل ایسے بھی تھے کہ غلام سے نکاح کرنے والی آزاد عورت اور آزاد مرد کسی غلام عورت سے نکاح کرتا تو دونوں کو آگ میں جلا دیا جاتا تھا جیسا کہ سعید احمد اکبر آبادی نے وضاحت کی ہے:

"یورپ میں غلامی کے اس رواج کا سبب یہ تھا کہ روسی شروع شروع میں بحر اسود اور دریائے ڈینوپ کے شمال میں فروکش ہوے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ وسط یورپ میں مغرب جنوب کی طرف متوجہ ہوتے گئے۔ اس دور میں رواج تھا کہ جنگی قیدیوں کو فروخت کر دیا جاتا تھا۔ سوداگر غلاموں کو خرید کر فرانس اور اسپین کی راہ سے قیدیوں کو افریقہ کے راستے شام و مصر لے جاتے تھے۔ فرنگی سوداگر روسی اور جرمنی غلاموں کی فروخت کے لیے ڈینوب اور بحر اسود تک جاتے تھے۔ جانوروں کی طرح انسانوں کے ریوڑ کو ہانکتے تھے۔ علاوہ ازیں جارجیا اور چرکس اپنی اولاد کو مال و متاع کی طرف فروخت کرتے تھے۔" (11)

انسانی غلامی کے قدیم ذرائع

دور قدیم میں جب انسانوں میں سے طاقتور طبقہ فوج کشی کر کے مقامی باشندوں پر قبضہ کر کے غلام بنا لیتا تھا۔ روم کی

فتوحات کا اصل سبب یہی تھا رومن شہری فوجی خدمات ، جنگوں اور فتوحات میں مصروف تھے ۔ جس کی وجہ سے امراء کی دولت میں اضافہ ہوتا گیا۔ زمینوں میں کام کرنے والے میسر نہ تھے ۔اسی وجہ سے رومیوں نے اٹلی کے دوسرے علاقوں کو فتح کیا اور وہاں افرادی قوت حاصل کی اور انہیں غلام بنایا انہیں ہی زمینوں کے کاموں میں لگا دیا تھا۔جب غلاموں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی تو انہیں فروخت کر دیا جاتا تھا۔غلام نسل در نسل ورثے میں ملتے رہتے تھے۔غلامی صرف جنگی قیدیوں تک محدود نہ تھی بلکہ عام لوگوں کو بھی پکڑ کر غلام بنایا جاتا تھا۔ڈیلوز میں غلاموں کی بڑی منڈی لگتی تھی۔ بحری ڈاکو بڑی تعداد میں غلام فروخت کرتے تھے ۔بعض اوقات دنیا کے ممالک کے درمیان انسانیت سوز ذلت آمیز معاہدات کے ذریعے انسانوں کی تجارت کی جاتی تھی۔ باقاعدہ غلاموں کی منڈیاں لگائی جاتی تھیں۔

جیساکہ ڈاکٹر مبارک علی نے وضاحت کی ہے :

" نوآبادیاتی حکمرانوں نے بڑی بڑی کمپنیوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہاں کانوں میں کھدائی کریں۔اس وجہ سے ایک مرتبہ پھر افریقی مزدور کا استحصال ہوا کہ وہ اپنی ہی معدنیات کی دولت کو غیر ملکیوں کے حوالے کرے۔1900ء میں وہ پورا علاقہ جس میں چاؤ گابون سینٹرل افریقہ اور کانگو شامل ہے ۔ چار کمپنیوں کو رعایت کے ساتھ دیا گیا اور چارٹر 30 سال کے لئے تھا ۔ یہ کمپنیاں اس چارٹر کے تحت اس بات کی مجاز تھیں کہ وہ اس تمام پیداوار سے منافع کمائیں جو وہ یہاں سے حاصل کریں۔ اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مصنف نے اسے معاشی لوٹ کھسوٹ کہا۔ ان مراعات نے ان کمپنیوں کو افریقی زندگی اور افریقی محنت کشوں کے لیے مسلسل خون چوسنے والا ادارہ بنادیا۔ ان کے ماحولیات پر کیا اثرات ہوئے نوآبادی حکمران ان کمپنیوں سے 15 فیصد ٹیکس لیا کرتے تھے۔ لوگوں سے جو ٹیکس لیا جاتا تھا وہ ربڑ اور ہاتھی دانت کی شکل میں ہوتا تھا۔ کانگو کی زرعی زمین ، جنگ اور بیگار کے تمام حقوق متعلقہ بادشاہ نے دیئے تھے ۔اس کی وجہ سے تمام علاقہ پیداوار اور لوگوں کی آبادی سے اجاڑ ہو کر رہ گیا تھا ۔"([12])

روم میں بطور سزا انسانوں کو غلام بنایا جاتا تھا۔ باپ اپنے بچوں اور قرض دینے والے قرض واپس نہ کر سکنے والے لوگوں کو فروخت کر کے غلامی کے شکنجے میں دے دیتے تھے اس کی مخالفت کی گئی۔226ق م میں قانون بنایا گیا کہ مقروض کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔ جانوروں کی دیکھ بحال کے لیے عام طور پر غلام ہی رکھے جاتے تھے۔ لونڈیاں گھر کے کام کاج کے علاوہ ناچ گانے بھی کرتی تھیں۔ حکومت کے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے بھی غلام رکھے جاتے تھے۔ سڑکوں کی صفائی و تعمیر اور شہروں میں صفائی کا کام بھی غلاموں سے لیا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں شاہد حسین رزاقی نے یوں تبصرہ کیا ہے :

" غلامی کو محنت سے ہر طرح کا فائدہ اٹھانے کے باوجود اہل روم ان پر ظلم کرتے تھے ۔ روم کے ابتدائی قانون کے بموجب آقا کو غلام پر کامل اختیار تھا۔ اور وہ اس کو قتل بھی کر سکتا تھا۔ اس کی ہر شے مالک کی ہوتی تھی۔ غلاموں کو شادی کرنے کا اختیار نہ تھا بلکہ جنسی تعلق بھی مالک کی مرضی سے ہوتے تھے۔ اگر آقا پر کوئی الزام آتا تو وہ اپنے بدلے کسی غلام کو بھیج دیتا تھا ۔ جس کو تفتیش کے دوران شدید اذیت دی جاتی تھی۔ اگر وہ زخمی ہوتا یا مر جاتا تو آقا الزام سے بری ہو جاتا تھا۔ پیلانیس کے چار سو غلام صرف اس لئے قتل کر دیئے گئے تھے کہ گھر میں ان کے ہوتے ہوئے آقا قتل ہو گیا تھا۔ کوئی غلام کسی عدالت سے کوئی

امداد طلب نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی فوج میں بھرتی ہوتا یا سرکاری عہدے پر پہنچ جاتا تو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا۔" (13)

روم کے زوال کے بعد بھی انسانی غلامی کا نظام جاری رہا۔ صدیوں بعد ازمنہ وسطیٰ کے جاگیری نظام میں ایک ارتقائی منزل طے کر کے غلامی میں کچھ رعیت دی گئی لیکن اس تبدیلی کے بعد مدت تک غلامی معدوم نہ ہو سکی۔ غلاموں پر مزید اختیارات حاصل کرنے کے لیے اس قسم کے قوانین بنائے گئے جن سے مالک کو ان پر مکمل کنٹرول دے دیا گیا جیسا کہ ڈاکٹر مبارک علی نے تحقیق سے ثابت کیا ہے:

"غلام کے فرار کی صورت میں یا بغاوت کے نتیجے میں مالک کو اختیار تھا کہ ان پر تشدد کرے اور انہیں قتل کر دے۔ ان سختیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنے والی نسلوں میں غلاموں کے خلاف مزاحمت اس لئے نہیں رہی کہ وہ شروع سے اس زندگی کے عادی ہو جاتے تھے۔ لیکن غلاموں پر ان تمام سختیوں اور سزاؤں کے خوف کے باوجود ان کے آقاؤں میں یہ ڈر اور خوف رہتا تھا کہ کہیں ان کے غلام بغاوت نہ کر دیں۔ اس لئے کھنچاؤ کی فضا دونوں طرف رہتی تھی اور ان کے باہمی تعلقات میں شک و شبہ رہتا تھا۔" (14)

ذاتی خدمات حاصل کرنے کی غرض سے زمانہ قدیم میں غلامی کے لیے رواج کو عام کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا گیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر مبارک علی نے اپنی کتاب "غلامی اور نسل پرستی" میں یوں رائے قائم کی ہے

"افریقہ سے غلاموں میں اکثر تعداد مردوں کی لی جاتی تھی کیونکہ انہیں معدنیات کی کانوں، کھیتی باڑی، صنعت و حرفت و کارخانوں میں کام کرنے کے لیے ایسے مردوں کی ضرورت تھی کہ جو جسمانی طور پر سخت ہوں اور کام کی زیادتی کو برداشت کر سکیں۔" (15)

یونانی ریاستوں کی طرح روم میں بھی غیر جمہوری عنصر غلامی کی شکل موجود تھی۔ قدیم روم کا نظام یونان کے غلامی کے نظام کی نسبت ظالمانہ تھا کیونکہ افلاطون کے خیالات پر سقراط کے زیادہ اثرات تھے۔ افلاطون نے اپنی کتاب الجمہوریہ میں غلامی کا نام لئے بغیر ایک ایسے طبقے کا ذکر کیا ہے جو یونانیوں کے ہاں غلام شمار ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسے حلقے کو معاشی طبقے کا نام دیا گیا ہے۔ افلاطون کی بجائے ارسطو نے واضح الفاظ میں غلامی کی حقیقت بیان کی ہے جیسا کہ محمد اشرف خرم نے وضاحت کی ہے:

"فطری طور پر انسان مساوی نہیں ہے یعنی غیر مساوی رشتے فطری ہیں۔ اس لئے غلامی فطری ہے۔ اس لئے یہ فائدہ مند ہے گویا نہ صرف مالک کے لیے بلکہ غلام کے لیے فائدہ مند ہے۔ ارسطو کے دلائل اس بات کا مظہر ہیں کہ وہ اس زمانے کے معاشی ڈھانچے میں تبدیلی نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے غلامی برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسیات کی تاریخ میں ارسطو کو ایک قدامت پسند مفکر کہا جاتا ہے۔ ارسطو موجودہ اداروں کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ جبکہ افلاطون بڑی سرعت سے نظام بدلنا چاہتا تھا۔" (16)

تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو عیاں ہوتا ہے کہ مذہبی تاویلات کے ذریعہ مالک کے حق کو برتر اور عین منشاء خداوندی ثابت کرنا چرچ کے فریضہ میں شامل تھا۔ چرچ خود بڑی جاگیروں کا مالک تھا۔ اس لئے اس نظام کا تحفظ ان کی مذہبی ضرورت بن گیا تھا۔

"یورپ میں چرچ آف روم کیتھولک نقطہ نظر سے بغاوت اور پروٹسٹنٹ ازم کی داغ بیل کو اسی تناظر میں سمجھا جاسکتا ہے جو یورپ میں ٹوٹتے ہوئے جاگیر دارانہ نظام اور ابھرتے ہوئے تاجرانہ اور صنعتی نظام کی کشمکش نے مرتب کیا۔ اگر ہم اس سے پیچھے چلے جائیں تو عہد غلامی کے مذاہب یعنی یہودیت اور مسیحیت کی تعلیمات کو براہ راست اس عہد کی اس کشمکش کے حوالے سے سمجھا جاسکتا ہے جو غلامی کے نظام کے خلاف غلاموں کی بغاوتوں کی صورت میں جاری تھیں۔ تصوف کی مسلک صوفیاء کے نظری اور عملی کردار، ہندوستان میں بھگتی تحریک کا احیاء اپنے عہد کے جابرانہ سماجی نظام اور اس کی پشت پناہی کرنے والے مذہبی خیالات کے خلاف رد عمل تھا اور یہ رد عمل محض خیال کی دنیا میں نہیں تھا بلکہ در حقیقت خود سماج کے اندر ظالم اور مظلوم کے درمیان کشمکش سے مرتب ہوا تھا۔" (17)

انسانی غلامی کے جدید ذرائع

تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے سے عیاں ہوتا ہے کہ قدیم دور میں چرچ بذات خود جاگیروں کا مالک تھا۔ اس لئے غلامی سے جاگیر داروں کو فائدہ ہوتا تھا تو اس نظام کو مذہب کے ذریعے تحفظ دیا گیا۔ اس کے بر عکس نئے تاجروں کی بڑھتی ہوئی سرمائے کی طاقت سے چرچ اور متعلقہ حکومتیں بھی خائف تھیں۔ چرچ سرمائے میں اضافہ کو روکنے کے لیے نت نئے سود کے خلاف فتوے دے رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کئی لوگوں نے مذہب سے سیاست کو الگ کر دیا تاکہ غلامی کا نظام چلتا رہے اور مذہب کی اس نظام میں کوئی گنجائش نہیں دی گئی۔ یہی وجہ تھی کہ متعلقہ لوگوں کو عیسائی برادری سے نکال دیا گیا جیسا کہ تبصرہ کیا گیا ہے:

"ہم ان لوگوں کو عیسائی برادری سے خارج کرتے ہیں جو سرفوں، غلام مردوں، غلام عورتوں یا ایسی غلام عورتوں کو جو کلیسائی حلقے کے متعلق ہیں آزاد کرتے ہیں۔" (18)

مطلق العنان حکمرانی میں لوگوں کے سیاسی حقوق نہیں ہوتے تھے۔ رعایا صرف بادشاہ کے حکم کی پابند تھی کئی بار لوگوں کے سیاسی حقوق ختم کئے گئے اور سیاسی پارٹیوں کو کالعدم قرار دیا گیا جو کہ دور حاضر میں رعایا کو غلام بنانے کی بدترین صورت تھی۔ مملکت اسپارٹا میں غلامی کی ایک منفرد قسم رائج تھی۔ متاثر لوگوں کو غلام نہیں کرتے تھے۔

حقیقت میں انسان کی حالت غلاموں سے بدتر ہوتی تھی۔ علاوہ یونان کے دوسرے شہروں کا خاص طبقہ تمام حقوق سے مستفید ہوتا تھا۔ اگرچہ ایسے لوگوں کی قلیل تعداد تھی۔ ان حالات کا تذکرہ شاہد حسین رزاقی نے یوں کیا ہے:

"پیلو پونیشی جنگ میں اسپارٹن شہری اپنے شہر کی مدافعت کے لیے پیلاٹون کو ہتھیار دینے پر مجبور ہو گئے تھے لیکن ان کو یہ خطرہ تھا کہ وہ موقع پا کر مقابلہ نہ کر دیں۔ چنانچہ تھوسی ڈائیڈیز کے بیان کے مطابق جنگ ختم ہونے کے بعد یہ اعلان کیا گیا کہ جن پیلاٹوں کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے ملک کی خدمت انجام دی ہے۔ وہ سامنے آئیں تاکہ ان کی خدمات کا صلہ دیا جائے۔ دو پیلاٹوں نے اپنا یہ دعویٰ پیش کیا۔ شہریوں نے ان کو پھولوں کے ہار پہنائے اور جلوس نکالا پھر خفیہ طور پر ان کو قتل کر دیا گیا کیونکہ شہریوں کا خیال تھا کہ ملک کی خدمت کرنے کے تصور نے ان کے دلوں میں اپنی بڑائی اور اہمیت کا خیال پیدا کر دیا ہوگا۔ جو شہریوں کے لیے خطرہ سے خالی نہیں۔ آبادی کی بہت بڑی اکثریت کے ساتھ اس قسم کا غیر جمہوری اور غیر انسانی امتیاز یونانی جمہوریت کا تاریک ترین پہلو تھا۔ لیکن جمہوریت کے بڑے بڑے علمبر داروں نے بھی غلامی کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی۔

کیونکہ یہ معاشرہ کا ایک ایسا عنصر تھا جس کو معاشرتی اور اقتصادی نظاموں کو برقرار رہنے کے لیے لازمی تصور کیا جاتا تھا اور اس طرح یونانی ریاستوں میں جمہوریت کی انتہائی ترقی بھی اس بنیادی خرابی کو دور نہ کر سکی تھی چنانچہ قدیم یونانی جمہوریت مساوات جیسے بنیادی جمہوری تصور سے ناآشنا رہی۔" (19)

مسلمانوں میں غلامی دین اسلام سے انحراف کا نتیجہ تھی لیکن مسلمانوں کے ہاں غلامی مغربی معاشرے کی نسبت مختلف تھی۔

بی بی سی کی ٹیم کے قرون وسطیٰ کے مسلم معاشرے میں غلامی کا تصور اور مغربی معاشرے میں غلامی کے نظام کے بارے میں تقابلی تبصرہ کیا اور نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بحر اوقیانوس کی غلاموں میں خواتین کی نسبت مردوں کی تعداد زیادہ رہی ہے جبکہ مسلمانوں میں غلاموں میں خواتین کی تعداد مردوں سے دوگنا رہی ہے۔ مسلمانوں میں غلام عورت سے عصمت فروشی کی اجازت نہیں ہوتی، بحر اوقیانوس میں صرف زراعت کے لیے غلام رکھے جاتے جبکہ مسلمان غلام سے ہر طرح کا کام لیتے ہیں۔ بحر اوقیانوس میں صرف سیاہ فام افریقی غلام تھے جبکہ مسلمانوں کے ہاں ہر رنگ و نسل کے غلام موجود ہیں۔ دور حاضر میں امریکہ میں سابقہ غلام معاشرے میں ایک الگ طبقے کی صورت موجود ہے۔ اس ٹیم کے مقالہ نگار نے غلامی کے بارے میں یوں نتیجہ اخذ کیا ہے۔

I donot think that there's any disputing that slavery was a more benevolent institution in Islam that it was in the west.(20)

" میں نہیں سمجھتا کہ اس بارے میں کوئی اختلاف موجود ہے کہ مسلمانوں کے ہاں غلامی مغرب کی نسبت ایک ایسا ادارہ تھا جس میں احسان کا عنصر غالب تھا۔"

دور حاضر میں میری لینڈ اور ورجینا میں مالکوں کی بجائے نگرانوں کے زریعے غلاموں کی سخت سزادی جاتی ہے۔ دریائے ٹاپک کے کنارے اگر کوئی غلام غلطی کرے تو ایسے موقع پر ہی کھیتوں میں سزادی جاتی ہے۔ ایک مضبوط کوڑا ہر وقت نگران کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یہ کوڑا گائے کے چمڑے کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ گوشت یا کوئی اور معمولی چیز چوری کرنے کے جرم میں غلام کے ہاتھ پاؤں باندھ کر وقفے وقفے سے کوڑے مارے جاتے ہیں۔ اس قسم کی غلامی کے بارے میں ڈاکٹر ظفر اقبال نوری نے یوں تحقیق کی ہے۔

" کپاس کے کھیتوں میں کام کرنے والوں کو سورج نکلتے ہی کھیتوں میں موجود ہونا ہوتا ہے اور ایک لمحے کا آرام کئے بغیر رات کے اندھیرے تک انہیں وہاں کام کرنا ہوتا ہے۔ اس دوران صرف دوپہر کو پندرہ منٹ کا وقفہ ہوتا ہے۔ جس میں انہیں سور کے سکھائے گوشت کا غنڈا ٹکڑا حلق سے اتارنا ہوتا ہے۔ شومی قسمت اگر چاند پوری طرح چمک رہا ہو تو غلاموں کو آدھی رات تک مزدوری کرنی پڑتی ہے۔ سارے دن کی مزدوری کے بعد شدید تھکاوٹ کے باوجود انہیں کھیتوں سے ٹوکریوں میں بھر کر کپاس لانا پڑتی ہے۔ غلام کی ہفتے بھر کی خوراک آدھا پونڈ سور کا گوشت اور تھوڑی سی مکئی ہو تو ہر ہفتے اتوار کی صبح انہیں دیا جاتا ہے۔ سورج نکلنے سے ایک گھنٹہ پہلے بگل بجایا جاتا ہے۔ غلام اٹھتے ہیں ناشتہ بناتے ہیں کھیتوں میں لے جاتے ہیں دن بھر وہ گھر نہیں اسکتے ہیں اگر ایسا کرتے تو انہیں کوڑے کھانے پڑتے۔ (1) کوئی چائے، کافی یا چینی وغیرہ نہیں دی جاتی بلکہ نمک بھی کبھی کبھی ہلکا سا چھڑکنے کے لئے ملتا ہے۔ اکثر اوقات وہ بھی نہیں دیا جاتا ہے۔ غلام اٹھتے ہیں ناشتہ بناتے ہیں کھیتوں میں لے جاتے

ہیں دن بھر وہ گھر نہیں آ سکتے اگر ایسا کرتے تو انہیں کوڑے کھانے پڑتے ہیں۔" (21)

خلاصہ

غلامی انسانی تاریخ کا وہ تلخ باب ہے جو قدیم زمانے سے جدید دور تک مختلف تہذیبوں اور معاشروں میں جاری رہا۔ ابتدا میں غلامی زیادہ تر جنگی قیدیوں اور زمین وطاقت کے تنازعات سے جڑی تھی، پھر یہ نظام زراعت، کان کنی اور صنعت میں جبری محنت کے لیے مضبوط ہو گیا۔ یونان اور روم جیسے معاشروں میں بھی غلاموں سے انتہائی غیر انسانی سلوک روا رکھا گیا اور انہیں بنیادی حقوق سے محروم رکھا گیا۔ یورپ اور امریکہ میں غلام تجارت نے غلامی کو عالمی کاروبار بنا دیا اور افریقی اقوام کو شدید نقصان پہنچا۔ بعد ازاں تحریکوں، قوانین اور اقوام متحدہ کی کوششوں سے غلامی کے خاتمے کا اعلان ہوا، مگر حقیقت یہ ہے کہ جبری مشقت اور انسانی اسمگلنگ کی شکل میں غلامی آج بھی موجود ہے۔ متن سے واضح ہوتا ہے کہ غلامی کا مرکزی سبب طاقت، معاشی مفاد اور طبقاتی غلبہ ہے۔ اسی لیے انسانی وقار، آزادی اور عدل کے لیے مسلسل مزاحمت اور قانون کا مؤثر نفاذ ناگزیر ہے۔

نتائج

1. غلامی کوئی ایک قوم یا مذہب تک محدود نہیں رہی بلکہ دنیا کی اکثر تہذیبوں میں مختلف صورتوں میں موجود رہی۔
2. غلامی کی جڑیں زیادہ تر جنگی قیدیوں، فتح، اور طاقتور طبقے کے غلبے سے وابستہ رہیں۔
3. کئی معاشروں میں غلامی موروثی/نسل در نسل منتقل ہوتی رہی، جس سے مستقل طبقاتی تفریق بنی۔
4. غلامی کے معاشی محرک میں زراعت، کان کنی، صنعت، اور گھریلو خدمات میں سستی/جبری محنت وغیرہ شامل ہیں۔
5. مختلف ادوار میں غلاموں کی حالت بدلتی رہی، مگر اکثر جگہوں پر وہ قانونی تحفظ سے محروم رہے۔
6. غلامی کو بعض اوقات مذہبی تعبیرات یا ریاستی قوانین کے ذریعے جائز اور محفوظ بنانے کی کوشش ہوئی۔
7. یونان وروم جیسے "مہذب" سمجھے جانے والے معاشروں میں بھی غلامی نے سیاسی/فکری ترقی کے لیے "وقت" مہیا کیا، مگر انسانی وقار پامال ہوا۔
8. بحرِ اوقیانوس کی غلام تجارت نے غلامی کو بین الاقوامی کاروبار بنا کر افریقہ اور دیگر خطوں کو گہرا نقصان پہنچایا۔
9. قانونی طور پر غلامی کے خاتمے کے باوجود، جبری مشقت، انسانی اسمگلنگ، قید میں مشقت، اور معاشی غلامی جیسی جدید صورتیں باقی رہیں۔
10. اسلام نے غلامی کے خاتمے اور انسانی وقار کے احیاء پر زور دیا، مگر تاریخی طور پر بعض مسلم معاشروں میں غلامی کا تسلسل دینی اصولوں سے انحراف کے باعث دکھائی دیتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

[1] . *Stilwell, Sean (2013), Slavery in African History Cambridge University. press: P: 38, A Reference Handbook by Kevin Bales*

[2] . *Kevin Bales, Many Historical Timeline entries are adapted from New Slavery: A Reference Handbook, Second Edition santa Brbara ABC, 2004,p:55-68*

[3] ۔ سعید احمد اکبر آبادی، اسلام کی غلامی کی حقیقت، ص:32

[4] ۔ محمد مبشر نذیر، اسلام میں جسمانی و ذہنی غلامی کے انسداد کی تاریخ، ص:25

[5] ۔ محمد مبشر نذیر، اسلام میں جسمانی و ذہنی غلامی کے انسداد کی تاریخ، ص:22

[6] ۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنھایۃ، بیروت، لبنان، دار الفکر، ج:1، ص:219

[7] ۔ خروج 3:13

[8] ۔ سعید احمد اکبر آبادی، اسلام کی غلامی کی حقیقت، ص:38

[9] ۔ محمد رفیع عثمانی، اسلام میں غلامی کا تصور، ص:9

[10] ۔ محمد رفیع عثمانی، اسلام میں غلامی کا تصور، ص:14

[11] ۔ Ahmed, Aqeel, Usman Mohiyuddin, and Saad Jaffar. "THE CONTEMPORARY MEANING OF MARWIAT-I-SLAVES RASOOLﷺ (IN THE CONTEXT OF SLAVES RIGHTS)." *International Research Journal of Islamic Culture and Communication (IRJICC)* 3, no. 1 (2025): 52-62.

[12] ۔ ڈاکٹر مبارک علی، غلامی و نسل پرستی، زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور، 1993ء، ص:62

[13] ۔ شاہد حسین رزاقی، تاریخ جمہوریت، ص:119

[14] - Jaffar, Saad, and Nasir Ali Khan. "ENGLISH-THE RIGHTS AND DUTIES OF MINORITIES IN ISLAMIC WELFARE STATE AND ITS IMPLEMENTATION IN THE CONTEMPORARY WORLD." *The Scholar Islamic Academic Research Journal* 7, no. 2 (2021): 36-57.

[15] ۔ ڈاکٹر مبارک علی، غلامی اور نسل پرستی، ص:61

[16] ۔ محمد اشرف خرم، مغربی سیاسی افکار، آفسٹ پریس، کراچی، 1984ء، ص:30

[17] ۔ لیو ہیوبرمین، یورپ امیر کیسے بنا؟، مترجم: عبد اللہ ملک، بک پرنٹرز، لاہور، 1988ء، ص:9

[18] ۔لیو ہیوبرمین، یورپ امیر کیسے بنا؟، مترجم: عبداللہ ملک، بک پرنٹرز، لاہور، 1988ء، ص:58

[19] ۔شاہد حسین رزاقی، تاریخ جمہوریت، ص:69

[20] *Jaffar, Dr Saad, Dr Muhammad Waseem Mukhtar, Dr Shazia Sajid, Dr Nasir Ali Khan, Dr Faiza Butt, and Waqar Ahmed. "The Islamic And Western Concepts Of Human Rights: Strategic Implications, Differences And Implementations." Migration Letters 21 (2024): 1658-70.*

[21] ۔ محمد ظفر اقبال نوری، اسلام اور مسئلہ غلامی، مکتبہ جمال کرم، لاہور، 2004ء، ص:30